ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2953

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(درس نظامی پروگرام)

کورس: اصول فقہ (2953) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (بونس: 5 تا 9)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — GUIDE SOLVED ASSIGNMENT

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: استصحاب اور سد ذرائع، استصحاب کی اقسام و حجیت (20 نمبر)

سوال نمبر 1: استصحاب اور سد ذرائع کا شرعی و اصطلاحی مفہوم بیان کریں۔ نیز استصحاب کی اقسام، اس پر مبنی فقہی قواعد (مثلاً الاصل بقاء ما کان علی ما کان) اور اس کی حجیت کے بارے میں فقہاء کی آراء تفصیل سے واضح کریں۔ (20)

تعارف

استصحاب اور سد ذرائع اصول فقہ کے ان ضمنی دلائل میں سے ہیں جو روزمرہ فقہی فیصلوں میں خاموشی سے مگر مسلسل کارفرما رہتے ہیں۔ استصحاب عدالتوں اور مفتیوں کو یہ اصول دیتا ہے کہ ثابت شدہ حالت کو دلیل کے بغیر ختم نہ کیا جائے، جبکہ سد ذرائع قانون ساز اور مفتی کو یہ نظر دیتا ہے کہ برائی تک پہنچانے والے راستوں کو پہلے سے بند کرنا بھی شریعت کا مقصد ہے۔ دونوں اصول درحقیقت یقین و احتیاط کے دو رخ ہیں: ایک موجود نظم کو برقرار رکھتا ہے اور دوسرا مستقبل کی خرابی کو روکتا ہے۔ اس جواب میں پہلے دونوں اصطلاحوں کا شرعی و اصطلاحی مفہوم بیان کیا جائے گا، پھر استصحاب کی اقسام کی وضاحت ہوگی، اس کے بعد اس پر مبنی مشہور فقہی قواعد پیش کیے جائیں گے اور آخر میں استصحاب کی حجیت کے بارے میں فقہاء کی مختلف آراء کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔

استصحاب کا شرعی و اصطلاحی مفہوم

استصحاب کے لغوی معنی کسی چیز کو اپنے ساتھ برقرار رکھنا اور اس کا ساتھ نہ چھوڑنا ہے۔ اصطلاح میں استصحاب سے مراد یہ ہے کہ جو حالت ماضی میں یقین کے ساتھ ثابت ہو چکی ہو اسے حال میں بھی باقی سمجھا جائے جب تک اس کے ختم ہونے کی کوئی دلیل نہ ملے۔ آسان الفاظ میں استصحاب کا مطلب ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی شخص نے یقین کے ساتھ وضو کیا تھا، بعد میں وضو ٹوٹنے کا محض شک پیدا ہوا تو استصحاب کی بنیاد پر اس کا وضو باقی مانا جائے گا اور نماز اسی وضو سے پڑھی جا سکے گی۔ اسی طرح جو شخص زندہ معلوم تھا اس کی موت کا ثبوت پیش کیے بغیر اسے مردہ قرار نہیں دیا جا سکتا، اور کسی کے ذمے قرض ثابت نہ ہو تو اصل براءت ذمہ ہے یعنی اس کا ذمہ ہر الزام و دین سے خالی مانا جائے گا۔ استصحاب کی شرعی بنیاد اس مشہور حدیث میں بھی جھلکتی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ محسوس کرے اور اسے اشتباہ ہو کہ کوئی چیز خارج ہوئی یا نہیں تو وہ مسجد سے نہ نکلے یہاں تک کہ آواز سن لے یا بو پائے؛ اس حدیث نے شک کو یقین پر غالب نہ کرنے کا اصول عملاً سکھا دیا۔

سد ذرائع کا شرعی و اصطلاحی مفہوم

ذرائع ذریعہ کی جمع ہے جس کے معنی وسیلے اور راستے کے ہیں، اور سد کے معنی بند کرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں سد ذرائع سے مراد یہ ہے کہ جو کام بذات خود جائز یا مباح ہو مگر وہ کسی حرام یا مفسدے تک پہنچنے کا ذریعہ بن رہا ہو تو اسے اس مفسدے کی روک تھام کے لیے ممنوع قرار دیا جائے۔ اس اصول کی بنیاد قرآن و سنت میں واضح ملتی ہے؛ قرآن مجید نے مشرکین کے بتوں کو برا کہنے سے اس لیے روکا کہ اس کے نتیجے میں وہ اللہ کو برا کہیں گے، حالانکہ بتوں کو برا کہنا بذات خود حق ہے۔ اسی طرح تنہائی میں غیر محرم سے خلوت کی ممانعت، اسلحہ کی فتنے کے زمانے میں فروخت سے احتیاط اور سفر محرم کے بغیر عورت کے لیے پابندی جیسی مثالیں اسی اصول کی عملی صورتیں ہیں۔ فقہائے مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں سد ذرائع کو بہت وسعت حاصل ہے، احناف بھی اسے بہت سے مقامات پر استعمال کرتے ہیں جبکہ شافعیہ نے اسے محدود دائرے میں قبول کیا ہے۔ اس کے مقابل اصول فتح ذرائع ہے، یعنی جو ذریعہ کسی واجب یا مستحسن تک پہنچائے اسے بھی اختیار کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ دونوں اصول یہ سکھاتے ہیں کہ شریعت صرف نتائج ہی کو نہیں ذرائع کو بھی دیکھتی ہے۔

استصحاب کی اقسام

استصحاب کی کئی تقسیمات بیان کی گئی ہیں جن میں سے بنیادی تقسیم یہ ہے کہ استصحاب یا تو عدم اصلی کا ہوتا ہے یا کسی شرعی حکم کے بقاء کا۔ پہلی قسم استصحاب عدم اصلی ہے، جسے براءت اصلیہ بھی کہتے ہیں، یعنی کسی حکم یا ذمہ داری کا اصل میں نہ ہونا برقرار مانا جائے جب تک شارع کی طرف سے اس کے اثبات کی دلیل نہ آئے؛ یہی وجہ ہے کہ پانچ نمازوں کے سوا چھٹی نماز کا وجوب ثابت نہیں ہوتا اور ہر شخص کا ذمہ اصلاً قرض و الزام سے بری مانا جاتا ہے۔ دوسری قسم استصحاب حکم شرعی ہے، یعنی جو حکم پہلے ثابت ہو چکا ہو اسے باقی مانا جائے، جیسے نکاح کے ثابت ہو جانے کے بعد طلاق کی دلیل ملنے تک اس کا برقرار رہنا، اور ملکیت کے ثابت ہونے کے بعد بیع یا ہبہ کے ثبوت کے بغیر اس کا ختم نہ ہونا۔ تیسری قسم استصحاب وصف ہے، جہاں کسی چیز کا ماضی کا وصف حال میں بھی باقی سمجھا جاتا ہے، جیسے پانی کی طہارت کا وصف نجاست کے یقینی علم تک باقی رہنا۔ چوتھی قسم

استصحاب اجماع ہے، جس میں اجماع سے ثابت حکم کو اس کے مخالف دلیل تک باقی ماننے کی بحث آتی ہے، اس قسم پر علماء کی بحث سب سے زیادہ ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ استصحاب کو اثبات و نفی کے اعتبار سے بھی تقسیم کیا جاتا ہے کہ کہیں اس سے کسی حکم کا بقاء ثابت کیا جاتا ہے اور کہیں کسی نئی ذمہ داری کی نفی مقصود ہوتی ہے۔

استصحاب پر مبنی فقہی قواعد

استصحاب کی بنیاد پر فقہ کے مشہور کلی قواعد وضع ہوئے ہیں جن کا عدالت اور افتاء میں روزانہ استعمال ہوتا ہے۔ سب سے مشہور قاعدہ یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ جو چیز جس حالت پر تھی وہ اسی حالت پر باقی رہے گی، یعنی الاصل بقاء ما کان علی ما کان۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا، یعنی الیقین لا یزول بالشک، یہی قاعدہ وضو و طہارت اور عبادات کی بے شمار جزئیات کی بنیاد ہے۔ تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے جب تک حرمت کی دلیل نہ آئے، کھانے پینے اور استعمال کی چیزوں میں یہی اصول کارفرما ہے۔ چوتھا قاعدہ یہ ہے کہ اصل براءت ذمہ ہے، یعنی کسی کے ذمے کوئی حق یا قرض اس وقت تک ثابت نہیں جب تک دعویٰ کرنے والا دلیل پیش نہ کرے، اور اسی قاعدے سے یہ عدالتی اصول نکلا کہ دلیل مدعی پر اور قسم مدعا علیہ پر ہوتی ہے۔ پانچواں قاعدہ یہ ہے کہ عارض کو اصل پر مقدم نہیں کیا جاتا بلکہ عدم پر محمول کیا جاتا ہے، یعنی جو حالت بعد میں پیدا ہونے والی ہو اس کے ثبوت کا بوجھ دعویٰ کرنے والے پر ہوتا ہے۔ فقہی مجلات اور قوانین شہادت میں یہ قواعد حرف بہ حرف لکھے ملتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ استصحاب محض کتابی اصول نہیں بلکہ عملی نظام عدل کی بنیاد ہے۔

جدول 1: استصحاب پر مبنی اہم فقہی قواعد اور ان کی مثالیں

قاعدہ	مفہوم	عملی مثال
الاصل بقاء ما کان علی ما کان	ثابت حالت دلیل کے بغیر ختم نہیں ہوتی	نکاح و ملکیت کا ثبوت زوال تک باقی رہنا
الیقین لا یزول بالشک	یقین محض شک سے ختم نہیں ہوتا	یقینی وضو شک سے نہیں ٹوٹتا
الاصل براءۃ الذمہ	ذمہ اصلاً ہر بار سے خالی ہے	قرض کا دعویٰ دلیل کے بغیر ثابت نہیں

نئی چیز کی حرمت دلیل سے ثابت ہوگی	اشیاء میں اصل جواز ہے	الاصل فی الاشیاء الاباحہ

استصحاب کی حجیت پر فقہاء کی آراء

استصحاب کی حجیت کے بارے میں فقہاء کی تین مشہور آراء ہیں۔ پہلی رائے جمہور فقہاء، یعنی احناف، مالکیہ اور حنابلہ کی اکثریت کی ہے کہ استصحاب حجت ہے، مگر اس کی قوت محدود ہے؛ یہ دفع کے لیے تو مضبوط دلیل ہے یعنی اس سے موجود حکم کی حفاظت کی جاتی ہے، مگر اس سے نیا حکم ثابت کرنے میں احناف نے احتیاط کی ہے اور کہا ہے کہ استصحاب حافظ ہے، منشئ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ استصحاب سے کسی ثابت شدہ حق کو باقی رکھا جا سکتا ہے مگر اس کی بنیاد پر دوسرے کے حق پر حملہ یا نیا حق ایجاد نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری رائے بعض شافعیہ اور محدثین کی ہے کہ استصحاب مطلقاً حجت ہے اور اس سے اثبات و نفی دونوں ہو سکتے ہیں، کیونکہ شرعی حکم جب ثابت ہو گیا تو اس کا بقاء بھی اسی دلیل سے ثابت ہے جو اس کے وجود کی دلیل تھی۔ تیسری رائے بعض متکلمین اور ظاہریہ کی ہے کہ استصحاب کوئی مستقل دلیل نہیں، کیونکہ ماضی میں کسی چیز کا ہونا اس کے حال میں ہونے کی قطعی دلیل نہیں بن سکتا۔ جمہور کا جواب یہ ہے کہ استصحاب قطعی علم کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ ظن غالب اور عملی ضرورت کی بنیاد ہے؛ اگر اسے تسلیم نہ کیا جائے تو عدالتیں، معاملات اور عبادات سب شکوک کا شکار ہو جائیں گے۔ اسی لیے قوانین عالم میں بھی یہ اصول کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے کہ ثابت شدہ صورت حال کو ثبوت کے بغیر تبدیل نہیں کیا جاتا۔

استصحاب و سد ذرائع کا باہمی تعلق اور عملی اہمیت

دونوں اصولوں کا عملی فائدہ یہ ہے کہ انہوں نے فقہ کو جمود اور انتشار دونوں سے بچایا۔ استصحاب نے حقوق و معاملات کو استحکام دیا، کیونکہ ہر شخص کو یہ یقین ہو گیا کہ اس کی ملکیت، نکاح اور براءت ذمہ محض شبہے سے متاثر نہیں ہو گی۔ سد ذرائع نے اصلاحی قانون سازی کا دروازہ کھولا، کیونکہ اس کی بنیاد پر ریاست و مفتی معاشرتی خرابیوں کے راستے بند کرنے کے لیے تادیبی و انتظامی احکام دے سکتے ہیں، بشرطیکہ جائز کاموں پر پابندی تناسب کے اندر رہے اور اصلاً حلال امور کو بلا ضرورت حرام نہ ٹھہرایا جائے۔ احتیاط کا پہلو یہ ہے کہ سد ذرائع کا بے جا استعمال لوگوں کو تنگی میں ڈال سکتا ہے اور استصحاب کا مطلق استعمال ناجائز قبضوں کو تحفظ دے سکتا ہے، اس لیے دونوں اصول اہل علم کے ہاتھ میں

میزان کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ طالب علم کے لیے ان اصولوں کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ اسے نصوص کی ظاہری دنیا سے آگے بڑھ کر فقہ کی حکمت اور نظام کو سمجھنے کی صلاحیت دیتے ہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ استصحاب ثابت شدہ حالت کو دلیل کے بغیر ختم نہ ماننے کا اصول ہے، اس کی اقسام میں عدم اصلی، حکم شرعی، وصف اور اجماع کا استصحاب نمایاں ہیں اور الاصل بقاء ما کان علی ما کان والیقین لا یزول بالشک جیسے قواعد اسی کی شاخیں ہیں۔ سد ذرائع جائز ذریعے کے مفسدے کی روک تھام کے لیے بند کرنے کا اصول ہے۔ حجیت کے بارے میں جمہور فقہاء استصحاب کو بقاء و دفع کے دائرے میں حجت مانتے ہیں، بعض اسے مطلق حجت اور بعض نہ حجت کہتے ہیں۔ عملی دنیا میں یہ دونوں اصول آج بھی افتاء، قضاء اور قانون سازی کی بنیاد بنے ہوئے ہیں، یہی ان کی زندہ اہمیت کا ثبوت ہے۔

سوال نمبر2: حکم شرعی، اس کے ارکان اور اہلیت وجوب واداء (20نمبر)

سوال نمبر2: حکم شرعی کی تعریف اور اس کے ارکان (حاکم، محکوم علیہ، محکوم فیہ، محکوم بہ) کا تفصیلی تعارف کروائیں۔ نیز حکم تکلیفی اور حکم وضعی کا فرق بیان کرتے ہوئے اہلیت وجوب اور اہلیت اداء کے مفہوم اور اقسام کا احاطہ کریں۔ (20)

تعارف

حکم شرعی اصول فقہ کی مرکزی بحث ہے، کیونکہ پورا علم اصول اسی سوال کے گرد گھومتا ہے کہ اللہ کا حکم کیا ہے، کس کے لیے ہے اور اس پر عمل کی صلاحیت کس میں پائی جاتی ہے۔ حکم کی بحث میں حاکم کی ذات، مکلف کی اہلیت اور فعل کی شرعی حیثیت تینوں شامل ہو جاتی ہیں، اس لیے اسے اصول فقہ کی دوسری بڑی بحث کا درجہ حاصل ہے جسے مباحث الاحکام کہا جاتا ہے۔ اس جواب میں پہلے حکم شرعی کی تعریف اور اس کے چار ارکان حاکم، محکوم علیہ، محکوم فیہ اور محکوم بہ کا تعارف کرایا جائے گا، پھر حکم تکلیفی و حکم

وضعی کا فرق واضح کیا جائے گا، اور آخر میں اہلیت کی دو بڑی قسموں اہلیت وجوب اور اہلیت اداء کے مفہوم، اقسام اور فقہی اثرات کا احاطہ کیا جائے گا تا کہ نابالغ، مجنون، غافل اور دیگر افراد کے احکام سمجھنے کی بنیاد فراہم ہو جائے۔

حکم شرعی کی تعریف

اصولیوں کے نزدیک حکم شرعی اللہ تعالیٰ کا وہ خطاب ہے جو مکلفین کے افعال سے متعلق ہو، خواہ طلب یعنی مطالبے کی صورت میں ہو، اختیار دینے کی صورت میں ہو یا وضع یعنی کسی چیز کو سبب، شرط یا مانع قرار دینے کی صورت میں ہو۔ اس تعریف میں تین عناصر نمایاں ہیں: خطاب اللہ کی طرف سے ہونا، اس کا مکلف کے فعل سے متعلق ہونا اور اس میں اقتضاء یعنی مطالبہ، تخییر یعنی اختیار یا وضع کا پایا جانا۔ فقہاء کی اصطلاح میں حکم اس خطاب کے اثر یعنی نتیجے کو بھی کہہ دیا جاتا ہے، جیسے وجوب، حرمت اور اباحت خود افعال کی صفات بن جاتے ہیں۔ اسی فرق کی وجہ سے اصولی حکم کو خطاب کہتے ہیں اور فقہاء اس کے مدلول کو حکم کہتے ہیں، مگر نتیجے میں دونوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ بندے کو معلوم ہو جائے کہ کسی عمل کے بارے میں اس کے رب کا مطالبہ کیا ہے۔ حکم شرعی کی معرفت ہی عبادت و معاملات کی درستگی کی بنیاد ہے، اس کے بغیر نہ ثواب کی امید درست ہو سکتی ہے نہ گناہ سے بچاؤ ممکن رہتا ہے۔

رکن اول: حاکم

حکم کے پہلے رکن حاکم سے مراد وہ ذات ہے جس کا خطاب حکم بنتا ہے، اور اسلامی شریعت میں حقیقی حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن مجید نے واضح کر دیا کہ حکم صرف اللہ ہی کے لیے ہے، اور رسول اس کے مبلغ و مبین ہیں، ان کی اطاعت بھی درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت قرار دی گئی ہے۔ اجماع و قیاس حکم کے منشئ نہیں بلکہ کاشف ہیں، یعنی وہ پہلے سے موجود اللہ کے حکم کو ظاہر کرتے ہیں، نیا حکم ایجاد نہیں کرتے۔ اس اصول کا عملی اثر یہ ہے کہ کوئی بادشاہ، پارلیمنٹ یا عالم اپنے ذاتی اختیار سے حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہیں کر سکتا؛ قانون سازی کی اسلامی بنیاد یہی تصور حاکمیت ہے، جس کے اندر رہتے ہوئے اہل علم نصوص سے استنباط کرتے ہیں اور ریاست نظم و نسق کے انتظامی امور طے کرتی

ہے۔ بعض فلاسفہ و معتزلہ نے حسن و قبح عقلی کی بحث میں یہ سوال بھی اٹھایا کہ آیا عقل خطاب الٰہی کے بغیر حکم کا ادراک کر سکتی ہے، مگر جمہور اشاعرہ و اصولیوں کا موقف یہی ہے کہ حکم کا اصل سرچشمہ خطاب شرعی ہے، عقل اس کی معاون و شارح ضرور ہے مگر مستقل حاکم نہیں۔

رکن دوم و سوم: محکوم علیہ اور محکوم فیہ

دوسرا رکن محکوم علیہ ہے، یعنی وہ شخص جس کے فعل سے خطاب متعلق ہوتا ہے، جسے مکلف بھی کہا جاتا ہے۔ مکلف ہونے کی بنیادی شرائط عقل اور بلوغ ہیں، اسی لیے نابالغ بچے اور مجنون پر شرعی تکلیف عائد نہیں ہوتی، اگرچہ بعض مالی احکام ان کے مال میں جاری ہوتے ہیں۔ تکلیف کی شرطوں میں خطاب کا فہم بھی ہے، اس لیے جو شخص شریعت کے خطاب کو سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھے وہ مخاطب نہیں بنتا۔ تیسرا رکن محکوم فیہ ہے، یعنی وہ فعل جس سے خطاب متعلق ہو، مثلاً نماز پڑھنا، چوری نہ کرنا یا خرید و فروخت کرنا۔ فعل کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقدور فی العمل ہو، یعنی انسان کی قدرت و اختیار میں ہو، کیونکہ شریعت نے کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں بنایا۔ اسی طرح فعل معلوم ہونا چاہیے تاکہ مکلف اسے بجا لا سکے، اور وہ فعل ایسا ہو جو شرعی طور پر عمل کا موضوع بن سکتا ہو۔ محکوم علیہ و محکوم فیہ کی یہ شرائط ہی آگے چل کر اہلیت کی بحث کی بنیاد بنتی ہیں، کیونکہ اصل سوال یہی ہے کہ کون سا شخص کس فعل کا مکلف بن سکتا ہے۔

رکن چہارم: محکوم بہ اور حکم کی صورتیں

چوتھا رکن محکوم بہ ہے، جس سے بعض اصولی وہ نتیجہ مراد لیتے ہیں جو فعل پر مرتب ہوتا ہے، یعنی وجوب، ندب، اباحت، کراہت یا حرمت، جبکہ بعض اس سے خود اس صفت کو مراد لیتے ہیں جو خطاب سے فعل کو حاصل ہوتی ہے۔ طلب کی صورت میں احکام پانچ ہوتے ہیں: اگر طلب جازم ہو اور فعل کا مطالبہ ہو تو وجوب ہے، طلب جازم ترک کا ہو تو حرمت ہے، طلب غیر جازم فعل کا ہو تو ندب اور ترک کا ہو تو کراہت ہے، اور اگر دونوں طرف اختیار دیا گیا ہو تو اباحت ہے۔ احناف نے طلب جازم کی ثبوت کی قوت کو دیکھ کر اسے فرض و واجب میں اور کراہت کو کراہت تحریمی و تنزیہی میں تقسیم کیا ہے جو ان کی مشہور اصطلاحی خصوصیت ہے۔ یہ تمام صورتیں حکم تکلیفی کے دائرے میں آتی ہیں،

جن کا تفصیلی فرق اگلی بحث میں آئے گا۔ محکوم بہ کی وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ ایک ہی لفظ امر کبھی وجوب کے لیے، کبھی ندب اور کبھی اباحت کے لیے آتا ہے، اور قرائن سے اس کا تعین کرنا ہی مجتہد کا اصل کام ہے۔

حکم تکلیفی اور حکم وضعی کا فرق

حکم تکلیفی وہ خطاب ہے جس میں مکلف سے کسی فعل کا مطالبہ ہو یا اسے اختیار دیا جائے، یعنی وجوب، ندب، اباحت، کراہت اور حرمت کی پانچ صورتیں۔ اس کا تعلق ہمیشہ مکلف کے فعل سے ہوتا ہے اور اس میں قدرت و علم شرط ہوتے ہیں۔ حکم وضعی وہ خطاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ کسی چیز کو کسی دوسری چیز کا سبب، شرط یا مانع قرار دے، جیسے زوال آفتاب کو نماز کا سبب، وضو کو نماز کی شرط اور حیض کو نماز کا مانع قرار دینا۔ حکم وضعی مکلف کے فعل سے براہِ راست مطالبہ نہیں کرتا بلکہ احکام کے نظام کو جوڑنے کا کام کرتا ہے۔ دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ تکلیفی حکم میں طلب پائی جاتی ہے اور اس کے مخاطب صرف عاقل بالغ ہوتے ہیں، جبکہ وضعی حکم میں طلب نہیں ہوتی اور اس کے اثرات نابالغ و مجنون پر بھی مرتب ہوتے ہیں، جیسے بچے کے مال میں زکاۃ یا اس کے ہاتھ سے تلف شدہ مال کا ضمان۔ بعض چیزیں دونوں حیثیتیں رکھتی ہیں، مثلاً زنا ایک طرف حرام ہے بطور حکم تکلیفی اور دوسری طرف حد و حرمت نسب کا سبب بھی ہے بطور حکم وضعی۔ اس فرق کو سمجھے بغیر فقہ کے بہت سے مسائل حل نہیں ہوتے، خاص طور پر عقود کے اسباب و شروط اور موانع کی پوری بحث اسی تقسیم پر کھڑی ہے۔

جدول 1: حکم تکلیفی اور حکم وضعی کا فرق

پہلو	حکم تکلیفی	حکم وضعی
مفہوم	فعل کا مطالبہ یا اختیار	سبب، شرط یا مانع قرار دینا
اقسام	وجوب، ندب، اباحت، کراہت، حرمت	سببیت، شرطیت، مانعیت، صحت، فساد، رخصت و عزیمت وغیرہ

مکلف و غیر مکلف دونوں پر اثر انداز	صرف عاقل بالغ مکلف	مخاطب
قدرت شرط نہیں	فعل کا مقدور ہونا شرط ہے	قدرت کی شرط
زوال کا نماز کا سبب اور وضو کا شرط ہونا	نماز کا واجب ہونا	مثال

اہلیت وجوب: مفہوم و اقسام

اہلیت کے لغوی معنی صلاحیت و استعداد کے ہیں، اور یہ بحث حکم شرعی کا وہ حصہ ہے جو محکوم علیہ یعنی انسان کی شرعی حیثیت کو متعین کرتی ہے۔ اہلیت کی پہلی قسم اہلیت وجوب ہے، جس سے مراد انسان کی وہ صلاحیت ہے جس کی بنیاد پر حقوق و واجبات اس کے ذمے ثابت ہوتے ہیں، یعنی وہ حقوق کا حامل بھی بنتا ہے اور کچھ ذمہ داریوں کا متحمل بھی۔ اس اہلیت کی بنیاد انسان میں ذمہ کا وجود ہے، جو ایک شرعی وصف ہے جس میں حقوق و واجبات سما جاتے ہیں۔ اہلیت وجوب دو قسم کی ہے: ناقصہ اور کاملہ۔ اہلیت وجوب ناقصہ جنین یعنی پیٹ کے بچے میں پائی جاتی ہے، جس کے لیے میراث، وصیت، وقف کے استحقاق اور نسب کا اثبات جیسے حقوق ثابت ہوتے ہیں مگر اس پر کوئی واجب عائد نہیں ہوتا، کیونکہ وہ صرف منتفع ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اہلیت وجوب کاملہ زندہ پیدا ہونے کے بعد حاصل ہوتی ہے، جس میں حقوق ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ مالی واجبات بھی ذمے ثابت ہو سکتے ہیں، جیسے بچے کے مال میں زکاۃ اور اس کے اتلاف کا ضمان، البتہ عبادات کی تکلیف اس پر بلوغ کے بغیر نہیں آتی کیونکہ وہ اہلیت اداء کا دائرہ ہے۔

اہلیت اداء: مفہوم و اقسام اور عوارض اہلیت

اہلیت کی دوسری قسم اہلیت اداء ہے، جس سے مراد انسان کی وہ صلاحیت ہے جس کی بنیاد پر اس کے افعال شرعاً معتبر ہوتے ہیں اور ان پر دنیوی و اخروی نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ اس کی بنیاد عقل و بلوغ پر ہے۔ اہلیت اداء بھی دو قسم کی ہے: ناقصہ اور کاملہ۔ اہلیت اداء ناقصہ تمیز کی عمر کو پہنچنے والے نابالغ بچے، یعنی ممیز صبی میں پائی جاتی ہے، جس کے نفع محض والے تصرفات درست، ضرر محض والے باطل اور نفع و ضرر کے درمیان دائر تصرفات ولی کی اجازت پر موقوف ہوتے ہیں۔ عبادات میں اس کی نماز و روزہ نفلی حیثیت سے درست اور باعث ثواب ہوتا ہے مگر فرض نہیں ہوتا۔ اہلیت اداء کاملہ عاقل بالغ میں پائی جاتی ہے، جس کے تمام عقود و تصرفات معتبر ہوتے ہیں اور اس پر تمام شرعی

تکالیف پوری طرح عائد ہوتی ہیں۔ اس بحث کے ساتھ عوارض اہلیت کا مطالعہ بھی کیا جاتا ہے، یعنی وہ حالتیں جو اہلیت کو ختم یا کم کر دیتی ہیں، مثلاً جنون، عتہ، نیند، بے ہوشی، نسیان، مرض الموت، جہل، سفہ، افلاس اور اکراہ۔ ان میں بعض عوارض سماوی ہیں جو انسان کے اختیار کے بغیر آتے ہیں اور بعض مکتسبہ ہیں جو انسان کے اپنے عمل سے پیدا ہوتے ہیں، اور ہر عارض کا اثر اس کی نوعیت کے مطابق کم یا زیادہ ہوتا ہے۔ یہ مباحث جدید قانون میں بھی اہلیت قانونی کے نام سے موجود ہیں، جو اس بحث کی ہمہ گیر عملی اہمیت کا ثبوت ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ حکم شرعی اللہ کا خطاب ہے جو مکلف کے فعل سے متعلق ہو، اس کے چار ارکان حاکم، محکوم علیہ، محکوم فیہ اور محکوم بہ ہیں جن میں حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ حکم کی دو بڑی قسمیں تکلیفی و وضعی ہیں؛ پہلا مطالبے و اختیار پر مشتمل ہے اور دوسرا سبب، شرط و مانع کے نظام پر۔ انسان کی شرعی حیثیت اہلیت وجوب و اہلیت اداء سے متعین ہوتی ہے، جن کی ناقص و کامل صورتیں بچپن، جنین، بلوغ اور عوارض اہلیت کے احکام کی بنیاد ہیں۔ ان مباحث کو سمجھنا فقہ کے ہر باب کے لیے لازم ہے، کیونکہ کسی حکم کو کسی شخص پر منطبق کرنے سے پہلے اس کی اہلیت جاننا ضروری ہوتا ہے۔

سوال نمبر 3: عام و خاص، مطلق و مقید اور امر و نہی کے احکام (20 نمبر)

سوال نمبر 3: استنباط احکام کے لغوی و اصطلاحی قواعد میں عام اور خاص کی تعریف و احکام بیان کریں۔ نیز مطلق اور مقید، اور امر و نہی کے صیغوں کی شرعی دلالت اور ان کے شرعی احکام پر مفصل بحث کریں۔ (20)

تعارف

قرآن وسنت کے خطابات کو سمجھنے کی سب سے عملی بحث الفاظ کی دلالت کی ہے، جسے اصول فقہ میں مباحث الالفاظ کہا جاتا ہے۔ شارع کے الفاظ کبھی تمام افراد کو شامل ہوتے ہیں، کبھی خاص افراد سے متعلق ہوتے ہیں، کبھی ان میں کوئی قید ہوتی ہے اور کبھی وہ مطلق آتے ہیں، اور کبھی ان سے کسی کام کے کرنے کا حکم نکلتا ہے اور کبھی منع کرنے کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ ان صورتوں کے احکام معلوم کیے بغیر نصوص سے صحیح استنباط ناممکن ہے، کیونکہ فقہی اختلافات کا بہت بڑا حصہ اسی جگہ سے پیدا ہوتا ہے کہ ایک فقیہ لفظ کو عام سمجھتا ہے تو دوسرا اسے خاص قرار دیتا ہے، ایک امر کو وجوب پر محمول کرتا ہے تو دوسرا اسے استحباب پر۔ اس جواب میں عام و خاص کی تعریف و احکام، مطلق و مقید کے مفہوم و احکام اور امر و نہی کے صیغوں کی دلالت و احکام تفصیل سے بیان کیے جائیں گے۔

عام کی تعریف، الفاظ عموم اور احکام

عام اس لفظ کو کہتے ہیں جو اپنے مفہوم میں آنے والے تمام افراد کو بغیر کسی تعین کے یکجا شامل ہو، جیسے تمام چور مرد و عورت کے لیے حکم والی آیت میں السارق والسارقۃ کے الفاظ، یا کل، جمیع اور من وما جیسے الفاظ عموم۔ الفاظ عموم کی بڑی صورتیں یہ ہیں: وہ لفظ جو وضع کے اعتبار سے عموم کے لیے بنا ہو، معرفہ جمع یا مفرد جس پر لام استغراق داخل ہو، نکرات جو نفی یا نہی کے سیاق میں آئیں، اور شرطیہ الفاظ من وما وغیرہ۔ عام کا بنیادی حکم یہ ہے کہ اس کے تمام افراد پر حکم جاری ہو گا اور اس کے کسی فرد کو بغیر دلیل خاص نہیں کیا جا سکتا۔ عام کی دلالت کے قطعی یا ظنی ہونے میں مشہور اختلاف ہے: احناف کے نزدیک عام اپنے عموم پر قطعی الدلالت ہے جب تک اس میں تخصیص نہ ہو جائے، جبکہ جمہور کے نزدیک یہ ظنی الدلالت ہے اس لیے اس میں تخصیص کی گنجائش نسبتاً آسانی سے پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی اختلاف آگے چل کر عام کی کتاب سے، سنت سے اور قیاس سے تخصیص کے مسائل میں عملی صورت اختیار کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ قاعدہ بھی اہم ہے کہ عبرت عموم لفظ کی ہے خصوص سبب کی نہیں، یعنی اگر حکم عام الفاظ میں آیا ہو مگر اس کا پس منظر کوئی خاص واقعہ ہو تو حکم عام ہی رہے گا، اس واقعے تک محدود نہیں کیا جائے گا۔

خاص کی تعریف اور تخصیص کے احکام

خاص اس لفظ کو کہتے ہیں جو ایک معین فرد یا محدود افراد پر دلالت کرے، جیسے ذاتی نام، معین عدد یا وہ صیغے جو محدود مفہوم رکھتے ہوں۔ خاص کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے مفہوم پر قطعی دلالت کرتا ہے اور اس میں تاویل و احتمال کی گنجائش عام کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے۔ تخصیص سے مراد عام لفظ کے بعض افراد کو کسی دلیل کی بنیاد پر اس کے حکم سے باہر کر دینا ہے، یعنی عام لفظ بولا گیا ہو مگر اس سے مراد اس کے کچھ افراد لیے جائیں۔ تخصیص کی دلیل کو مخصص کہا جاتا ہے، جو متصل بھی ہو سکتا ہے جیسے استثناء، شرط اور صفت، اور منفصل بھی، جیسے دوسری نص یا عقل کا تقاضا۔ احناف تخصیص اور نسخ میں باریک فرق کرتے ہیں اور ان کے ہاں عام کی ابتدائی تخصیص کے بعد باقی افراد پر اس کی دلالت کا درجہ بدل جاتا ہے، جبکہ جمہور کے نزدیک تخصیص بیان کی ایک صورت ہے۔ عملی فقہ میں تخصیص کی مثالیں بہت ہیں، مثلاً وصیت کے عمومی احکام سے وارث کے لیے وصیت کا خاص حکم نکلنا، یا قتل کے عمومی احکام سے بعض صورتوں کا مستثنیٰ ہونا۔ طالب علم کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تخصیص عام کی منسوخی نہیں بلکہ اس کے دائرے کی تحدید ہے، اور اس کے لیے بھی شرعی دلیل درکار ہوتی ہے، ذاتی پسند کافی نہیں ہوتی۔

مطلق اور مقید: تعریف، مثالیں اور احکام

مطلق اس لفظ کو کہتے ہیں جو کسی قید کے بغیر اپنی جنس کے کسی غیر معین فرد پر دلالت کرے، جیسے رقبہ یعنی غلام کا لفظ ظہار کے کفارے میں بغیر مومن ہونے کی قید کے آیا ہے۔ اس کے برعکس مقید وہ لفظ ہے جو کسی وصف یا شرط کے ساتھ مقید ہو، جیسے قتل خطا کے کفارے میں رقبہ مؤمنہ یعنی مومن غلام کی قید آئی ہے۔ مطلق کا بنیادی حکم یہ ہے کہ اسے اس کے اطلاق پر رکھا جائے گا، یعنی جب تک اس کی تقیید کی دلیل نہ آئے اس میں کوئی قید شامل نہیں کی جائے گی۔ اسی اصول سے یہ قاعدہ نکلا کہ مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے لیے شرائط درکار ہیں: اگر مطلق و مقید کا حکم اور سبب ایک ہی ہوں تو جمہور کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، جیسے وضو و تیمم کی بحثوں میں آیا ہے، اور اگر حکم یا سبب مختلف ہو تو مطلق اپنے اطلاق پر رہے گا۔ احناف نے اس باب میں مزید باریکیاں پیدا کی ہیں، مثلاً مطلق پر زیادتی کو نسخ کے درجے میں دیکھنا، جس سے ان کے ہاں

نماز میں قراءت فاتحہ جیسے مسائل کی بنا پڑی ہے۔ یہ بحث اس لیے اہم ہے کہ بہت سے عبادات و کفارات کے احکام اسی پر منحصر ہیں کہ لفظ مطلق ہے یا مقید، اور کس صورت میں تقیید جائز ہے۔

امر کے صیغے اور ان کی شرعی دلالت

امر کسی کام کے کرنے کا مطالبہ ہے جو بڑے کی طرف سے چھوٹے کو استعلاء یعنی برتری کے انداز کے ساتھ کیا جائے۔ قرآن و سنت میں امر کے صیغے بہت کثرت سے آئے ہیں، جیسے فعل امر کا صیغہ، مضارع جس پر لام امر داخل ہو، اور اسم فعل امر وغیرہ۔ امر کی دلالت کے بارے میں بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا امر وجوب کے لیے ہوتا ہے یا ندب کے لیے؟ جمہور اصولیوں کا موقف یہ ہے کہ امر کا اصل مقتضی وجوب ہے، یعنی جب تک کوئی قرینہ اسے ندب یا اباحت کی طرف پھیرنے والا نہ ہو، امر سے واجب ہونے کا حکم نکلے گا، اور اس کی دلیل ان آیات کو بنایا جاتا ہے جن میں رسول کے حکم کی مخالفت پر عذاب کی وعید آئی ہے۔ بعض علماء نے امر کو ندب کے لیے اور بعض نے مشترک قرار دیا ہے مگر عملی فقہ میں جمہور کا مسلک ہی غالب رہا ہے۔ امر کی دیگر اہم بحثیں یہ ہیں: آیا امر فوریت کا تقاضا کرتا ہے یا تاخیر بھی جائز ہے، نیز میں جمہور تاخیر کی گنجائش کو قرینے سے مشروط کرتے ہیں؛ آیا امر تکرار کا متقاضی ہے یا ایک بار عمل کافی ہے، جس میں راجح یہ ہے کہ تکرار سبب کے تکرار سے ہوتی ہے نہ کہ صیغے کے اپنے تقاضے سے؛ اور یہ کہ ممنوع چیز کے بعد آنے والا امر اباحت ظاہر کرتا ہے، جیسے احرام کے بعد شکار کی اجازت کا حکم۔ یہ تمام بحثیں امر کو سمجھنے کے لیے ناگزیر ہیں۔

نہی کے صیغے اور ان کی شرعی دلالت

نہی امر کی ضد ہے، یعنی کسی کام سے رکنے کا مطالبہ جو استعلاء کے انداز میں کیا جائے۔ نہی کا اصل مقتضی جمہور کے نزدیک تحریم ہے، یعنی جس کام سے منع کیا گیا ہو وہ حرام ہوتا ہے جب تک کوئی قرینہ اسے کراہت یا ارشاد کی طرف نہ پھیر دے۔ نہی کا ایک اہم اثر عبادات و معاملات میں فساد و بطلان بھی زیر بحث آتا ہے: احناف کے نزدیک نہی اصل میں قبح کا تقاضا کرتی ہے اور اس کے اثر کو کام کی نوعیت دیکھ کر متعین کیا جاتا ہے، جبکہ جمہور کا عام قاعدہ یہ ہے کہ نہی فساد کا مقتضی ہوتی ہے، یہی قاعدہ حدیث کی صورت میں بھی منقول ہے کہ عبادت میں نہی بطلان کا تقاضا کرتی ہے۔ اس فرق سے معاملات میں خاص طور پر فرق پڑتا ہے، جیسے ممنوع اوقات میں نماز یا ممنوع صورتوں کی بیع کے احکام۔

نہی کی بحث میں یہ نکتہ بھی شامل ہے کہ نہی کبھی ذاتی قبح کی وجہ سے ہوتی ہے، جیسے شراب وزنا کی ممانعت، اور کبھی خارجی سبب کی وجہ سے، جیسے روزے کی حالت میں کھانے کی ممانعت؛ پہلی صورت میں کام ہمیشہ ممنوع رہتا ہے اور دوسری صورت میں سبب ختم ہوتے ہی ممانعت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ امر و نہی کی یہ پوری بحث اس لیے اہم ہے کہ قرآن و سنت کا بیشتر حصہ انہی دو صورتوں پر مشتمل ہے، ان کی درست دلالت سمجھے بغیر احکام کی تعبیر میں بڑی غلطیاں ہو سکتی ہیں۔

جدول 1: الفاظ کی دلالت کی اہم صورتوں کا خلاصہ

بنیادی حکم	تعریف	صورت
دلیل کے بغیر تخصیص نہیں ہو گی	تمام افراد کو شامل لفظ	عام
اپنے مفہوم پر قطعی دلالت	معین یا محدود مفہوم والا لفظ	خاص
اطلاق پر رہے گا جب تک تقیید کی دلیل نہ آئے	بغیر قید کے جنس کا غیر معین فرد	مطلق
قید کا اعتبار واجب ہے	وصف یا شرط کے ساتھ محدود لفظ	مقید
قرینہ نہ ہو تو وجوب	کام کرنے کا مطالبہ	امر
قرینہ نہ ہو تو تحریم	کام سے رکنے کا مطالبہ	نہی

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ عام و خاص، مطلق و مقید اور امر و نہی الفاظ کی دلالت کی وہ بنیادی صورتیں ہیں جن پر استنباط احکام کا پورا نظام قائم ہے۔ عام کا حکم اس کے تمام افراد پر جاری ہوتا ہے اور تخصیص دلیل سے ہوتی ہے، خاص اپنے مفہوم میں قطعی ہوتا ہے، مطلق قید کی دلیل تک اپنے اطلاق پر رہتا ہے اور مقید کی قید کا اعتبار لازم ہوتا ہے، جبکہ امر کا اصل

مقتضی وجوب اور نہی کا تحریم ہے اور قرائن ان دلالتوں کو بدل سکتے ہیں۔ ان قواعد کو مثالوں کے ساتھ سمجھنے سے طالب علم نصوص کے تعارض و اختلاف کی اصل وجوہ تک پہنچ سکتا ہے اور یہی اصول فقہ کے مطالعے کا اصل ثمرہ ہے۔

سوال نمبر 4: عبارت النص، اشارت النص، دلالت النص، اقتضاء النص اور نسخ (20 نمبر)

سوال نمبر 4: عبارت النص، اشارت النص، دلالت النص اور اقتضاء النص کے مفہوم و امتیاز کو مثالوں سے واضح کریں۔ نیز ظاہر، نص، مفسر اور محکم کے مراتب کا موازنہ کرتے ہوئے نسخ کی تعریف، شرائط اور اقسام پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

نصوص سے حکم اخذ کرنے کا عمل صرف الفاظ کا ترجمہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کوئی مفہوم الفاظ سے کس درجے اور کس طرح سے حاصل ہو رہا ہے۔ احناف نے اسی بنیاد پر نص کی دلالت کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے: عبارت النص، اشارت النص، دلالت النص اور اقتضاء النص۔ اسی طرح الفاظ کے وضوح کے درجات کو ظاہر، نص، مفسر اور محکم کی صورت میں مرتب کیا گیا ہے، اور ان دونوں تقسیموں کے ساتھ نسخ کی بحث بھی جڑی ہوئی ہے کیونکہ یہی درجات بتاتے ہیں کہ کون سی نص نسخ قبول کر سکتی ہے اور کون سی نہیں۔ اس جواب میں پہلے دلالت کی چاروں قسموں کو مثالوں سے واضح کیا جائے گا، پھر وضوح کے چار مراتب کا موازنہ پیش ہو گا اور آخر میں نسخ کی تعریف، شرائط اور اقسام پر تفصیلی نوٹ لکھا جائے گا۔

عبارت النص

عبارت النص سے مراد وہ مفہوم ہے جو نص کے الفاظ سے بلاواسطہ اور براہِ راست حاصل ہو، اور جس کے لیے نص اصل میں لائی گئی ہو۔ یہ دلالت سب سے قوی اور واضح ہوتی ہے کیونکہ یہ مقصود اصلی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوا کہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے؛ اس آیت کی عبارت سے دو حکم براہِ راست ثابت

ہوتے ہیں، بیع کا جواز اور ربا کی حرمت، اور یہی مفہوم اس آیت کے لانے کا اصل مقصد ہے۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ زانی مرد و عورت کو سو کوڑوں کا حکم دینے والی آیت کی عبارت سے حد زنا کا ثبوت براہ راست ملتا ہے۔ عبارت النص کا حکم یہ ہے کہ اس سے حاصل ہونے والا مفہوم قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے جب تک نص بذات خود ظنی الدلالت نہ ہو، اور اسے دیگر دلالتوں پر مقدم رکھا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے مفسرین و فقہاء استدلال کا آغاز ہمیشہ عبارت سے کرتے ہیں اور اس کے بعد ہی اشارہ و دلالت کی طرف جاتے ہیں۔ عبارت سے حاصل مفہوم کو منطوق بھی کہا جاتا ہے اور فقہی اسماء میں اسے سب سے زیادہ قابل اعتماد بنیاد سمجھا جاتا ہے۔

اشارت النص

اشارت النص سے مراد وہ مفہوم ہے جو نص کے الفاظ سے اشارے کے طور پر حاصل ہو مگر نص اصل میں اس کے لیے نہ لائی گئی ہو؛ یہ مفہوم الفاظ کے لازم کے طور پر خود بخود نتیجے میں نکلتا ہے۔ مثال کے طور پر روزے کے احکام والی آیت میں صبح صادق تک کھانے پینے کی اجازت سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ حالت جنابت میں سحری تک رہنے والے کا روزہ درست ہے، کیونکہ فجر تک کھانے کی اجازت کا لازمی نتیجہ یہی ہے، حالانکہ آیت اس مسئلے کے لیے نہیں آئی تھی۔ ایک مشہور مثال نسب کے اثبات والی آیت ہے جس میں بچے کا حمل ٹھہرنا اور دودھ پلانے کی مدت کا ذکر ملا کر کم سے کم حمل کی مدت کا اشارہ نکلتا ہے، جسے فقہاء نے فقہی مسئلے میں استعمال کیا ہے۔ اشارت النص کا حاصل مفہوم بھی شرعی حجت ہوتا ہے، کیونکہ وہ شارع کے کلام کا لازمی مفہوم ہے، البتہ درجے میں وہ عبارت کے بعد آتا ہے اور تعارض کی صورت میں عبارت کو اس پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اشارے کو سمجھنے کے لیے زبان کی گہرائی، سیاق و سباق اور شرعی نظام کی مجموعی واقفیت ضروری ہوتی ہے، اسی لیے یہ فن مبتدی کے بجائے متمکن عالم کا کام سمجھا جاتا ہے۔

دلالت النص

دلالت النص سے مراد وہ مفہوم ہے جو الفاظ کی صراحت سے نہیں بلکہ مفہوم کی علت اور مقصد کو سمجھ کر حاصل ہو، اور جس کا مفہوم عبارت والے مفہوم سے اولیٰ یعنی زیادہ قوی ہو۔ اسے مفہوم موافقہ یا فحوی الخطاب بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی سب سے مشہور مثال سورۃ الاسراء کی آیت ہے جس میں والدین کو اف تک نہ کہنے کا حکم دیا گیا؛ اس سے دلالت کے طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ والدین کو مارنا، گالی دینا یا اس سے بڑی اذیت پہنچانا تو بطریق اولیٰ حرام ہے، کیونکہ جب ہلکی اذیت ممنوع ہے تو بڑی اذیت کی ممانعت اس

سے بڑھ کر ثابت ہوتی ہے۔یہی دلالت قیاس اولیٰ کی بنیاد بھی بنتی ہے، فرق یہ ہے کہ دلالت النص میں علت زبان کے فہم سے معلوم ہو جاتی ہے جبکہ قیاس میں اجتہاد سے نکالی جاتی ہے۔فقہاء کے ہاں دلالت النص سے حاصل حکم بھی مضبوط حجت ہے، البتہ اس سے حدود و کفارات کے اثبات میں احتیاط کی جاتی ہے، کیونکہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔دلالت النص نے فقہ کو وسعت دینے میں بڑا کردار ادا کیا ہے، کیونکہ نصوص کے مقاصد کو سمجھ کر انہیں ملتے جلتے شدید تر معاملات پر منطبق کرنا اسی کا ثمرہ ہے۔

اقتضاءالنص

اقتضاءالنص سے مراد وہ محذوف و مقدر مفہوم ہے جس کو مانے بغیر کلام درست ہی نہ ہو سکے یا شرعی و عقلی طور پر اس کی صداقت قائم نہ رہ سکے۔یعنی سامع کو کلام کی تکمیل کے لیے ایک مفہوم فرض کرنا پڑتا ہے، اور وہی فرض کیا گیا مفہوم شرعاً معتبر ہوتا ہے۔مثال کے طور پر حدیث میں فرمایا گیا کہ میری امت سے خطا، نسیان اور جس پر وہ مجبور کیے جائیں وہ اٹھا لیا گیا ہے؛ ظاہر ہے اعمال بذات خود نہیں اٹھتے بلکہ ان کا گناہ و مواخذہ اٹھایا گیا ہے، پس یہاں مواخذے کا مفہوم مقتضی کے طور پر مقدر مانا جائے گا۔ایک اور مثال قتل خطا کے حکم میں رقبہ آزاد کرنے کا حکم ہے، جہاں ملکیت کا مفہوم کلام کی تکمیل کے لیے مقدر سمجھا جاتا ہے۔اقتضاءالنص کا درجہ دلالتوں میں آخری رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں ایک اضافی مفروضہ شامل ہوتا ہے، اسی لیے علماء نے قاعدہ بنایا ہے کہ مقتضی کو صرف ضرورت کی حد تک مانا جائے گا، اس سے آگے اسے وسعت نہیں دی جائے گی۔چاروں دلالتوں کا یہ نظام احناف کی اصولی خصوصیت ہے؛ جمہور کے ہاں بھی یہ مفاہیم منطوق و مفہوم کی دوسری تقسیموں میں کسی نہ کسی صورت موجود ہیں، اس لیے اختلاف زیادہ تر درجہ بندی و اصطلاح کا ہے۔

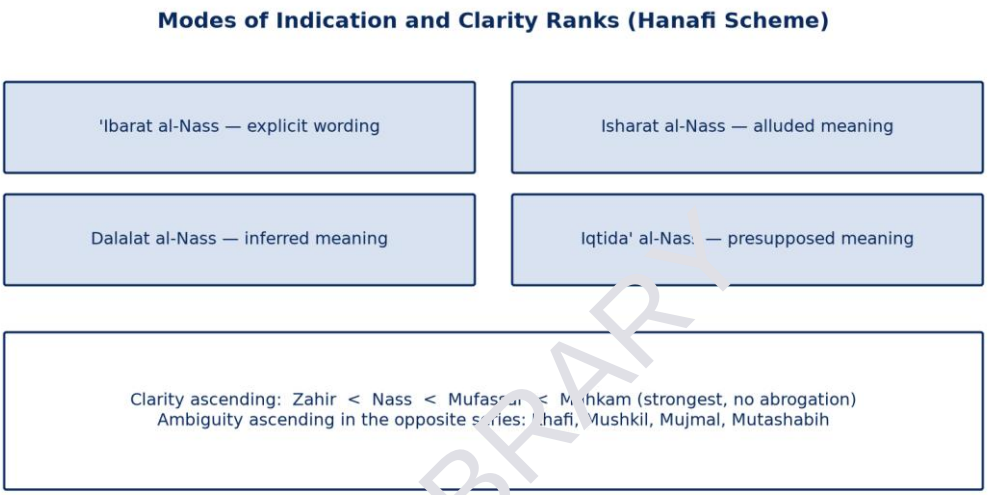

تصویر 1: دلالت کی اقسام اور الفاظ کے وضوح کے مراتب۔

جدول 1: دلالت کی چار اقسام کا موازنہ

قسم	حصول مفہوم کا طریقہ	مثال
عبارت النص	الفاظ سے براہ راست، مقصود اصلی	بیع کی حلت اور ربا کی حرمت کی آیت
اشارت النص	الفاظ کے لازم و نتیجے سے	فجر تک کھانے کی اجازت سے جنابت میں روزے کا جواز
دلالت النص	علت و مقصد کے فہم سے، بطریق اولیٰ	اف نہ کہنے سے مارنے گالی دینے کی حرمت
اقتضاء النص	کلام کی تکمیل کے لیے مقدر مفہوم سے	خطا و نسیان اٹھائے جانے سے مواخذے کا اٹھنا

ظاہر، نص، مفسر اور محکم کے مراتب کا موازنہ

الفاظ کے وضوح کو احناف نے چار درجات میں تقسیم کیا ہے۔ ظاہر وہ کلام ہے جس کا مفہوم زبان سے معلوم ہو جائے مگر اس میں تاویل و تخصیص کا احتمال باقی رہے، جیسے عام الفاظ اپنی ابتدائی صورت میں۔ نص اس سے اوپر کا درجہ ہے، جس میں سیاق و سباق کی وجہ سے مفہوم مزید واضح ہو جائے اور احتمال کم ہو جائے، مگر تاویل کی ہلکی گنجائش پھر بھی باقی رہتی ہے۔ مفسر وہ کلام ہے جس کا مفہوم اس قدر کھل جائے کہ تاویل و تخصیص کا دروازہ بند ہو جائے، البتہ نسخ کا احتمال نظری طور پر باقی رہتا ہے، جیسے وہ آیات جن کی تفصیل خود نص سے واضح ہو چکی ہو۔ محکم سب سے بلند درجہ ہے، جس میں نہ تاویل کی گنجائش ہو، نہ تخصیص کی اور نہ نسخ کی؛ عقائد کی بنیادی آیات اور اصول دین کی قطعی نصوص اسی قبیل سے ہیں۔ ان درجات کی ترتیب قوت میں صعودی ہے: ظاہر سے نص قوی، نص سے مفسر قوی اور مفسر سے محکم قوی تر ہے، اور تعارض کی صورت میں بالائی درجے کو زیریں درجے پر ترجیح دی جاتی ہے۔ مقابل سمت میں خفی، مشکل، مجمل اور متشابہ ابہام کے درجات ہیں جن کی تفصیل اسی وضوح کی تقسیم کو مکمل کرتی ہے۔ یہ درجہ بندی طالب علم کو بتاتی ہے کہ کسی نص میں اجتہاد کی گنجائش کتنی ہے اور کس حد پر جا کر اسے قطعی تسلیم کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

نسخ کی تعریف، شرائط اور اقسام

نسخ کے لغوی معنی مٹانے اور نقل کرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں نسخ سے مراد کسی شرعی حکم کو بعد میں آنے والی شرعی دلیل کے ذریعے ختم کر دینا یا اس کے دورانیے کے اختتام کو بیان کر دینا ہے۔ ناسخ و منسوخ کی بحث قرآن و سنت دونوں میں پائی جاتی ہے، اور اس کی سب سے مشہور مثالیں قبلے کی تبدیلی، عدت وفات کی مدت میں تبدیلی اور بعض ابتدائی احکام کا بعد کے مستقل احکام سے بدل جانا ہیں۔ نسخ کی شرائط میں یہ شامل ہیں کہ منسوخ حکم شرعی عملی ہو، عقائد و اخبار میں نسخ نہیں ہوتا؛ ناسخ دلیل منسوخ سے مؤخر ہو اور دونوں میں حقیقی تعارض ہو اور تطبیق ممکن نہ ہو، کیونکہ جہاں جمع ممکن ہو وہاں نسخ کا دعویٰ نہیں کیا جاتا؛ ناسخ دلیل قوت میں منسوخ کے برابر یا اس سے قوی ہو؛ اور نسخ نبی کریم کی حیات مبارکہ ہی میں ہوا ہو، آپ کے بعد نسخ کا باب بند ہے۔ نسخ کی اقسام کئی اعتبار سے بیان ہوتی ہیں: نسخ الحکم دون التلاوت، جہاں تلاوت باقی ہو مگر حکم ختم ہو جائے؛ نسخ التلاوت دون الحکم، جہاں تلاوت ختم ہو جائے مگر حکم باقی رہے؛ اور نسخ الحکم و التلاوت، جہاں دونوں ختم ہو جائیں۔ اسی طرح قرآن کا قرآن سے، قرآن کا سنت سے، سنت کا

قرآن سے اور سنت کا سنت سے نسخ بھی الگ الگ بحثوں کی صورت میں بیان ہوتا ہے جن میں علماء کا معروف اختلاف پایا جاتا ہے۔ نسخ کے قائلین کی اکثریت کے نزدیک نسخ حکمت الٰہی کا تقاضا ہے، کیونکہ احکام انسانوں کی استعداد و حالات کے مطابق بتدریج نازل ہوئے اور نسخ اسی تدریج کی ایک صورت ہے؛ البتہ نسخ کے دعووں میں احتیاط لازم ہے اور علماء نے منسوخ آیات کی تعداد میں ابتدا کی وسعت کے بعد بہت کمی کی ہے، یہاں تک کہ بعض محققین کے نزدیک ثابت شدہ نسخ کی مثالیں چند گنی چنی ہیں۔ طالب علم کے لیے یہ وضاحت ضروری ہے کہ نسخ کا تعلق احکام سے ہے، اللہ کے علم سے نہیں، اس لیے یہ بحث کسی تبدیلی علم کا تصور نہیں بلکہ تشریع کی مدت کے بیان کا نام ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ نص سے مفہوم حاصل کرنے کے چار درجے عبارت، اشارہ، دلالت اور اقتضاء ہیں جن میں عبارت سب سے قوی اور اقتضاء سب سے آخری درجہ رکھتا ہے۔ وضوح کے لحاظ سے ظاہر، نص، مفسر اور محکم صعودی ترتیب رکھتے ہیں اور محکم نسخ و تاویل سے بالاتر ہوتا ہے۔ نسخ عملی احکام میں بعد کی دلیل سے حکم کے خاتمے کا نام ہے جس کے لیے تاخر، حقیقی تعارض اور مساوی قوت جیسی شرائط لازم ہیں اور جس کی اقسام تلاوت و حکم کے اعتبار سے تین مشہور ہیں۔ یہ مباحث طالب علم کو نصوص کے ساتھ باریک بینی، درجہ شناسی اور علمی احتیاط سکھاتی ہیں، اور یہی اصول فقہ کے مطالعے کی اصل روح ہے۔

سوال نمبر 5: تعارض ادلہ و ترجیح اور اجتہاد، تقلید، تلفیق و افتاء (20 نمبر)

سوال نمبر 5: تعارض ادلہ اور ترجیح کے بنیادی قواعد کا جائزہ لیں۔ نیز اجتہاد، تقلید، تلفیق اور افتاء کا مفہوم و شرائط بیان کرتے ہوئے جدید دور میں ان کی عملی اہمیت اور ضوابط پر روشنی ڈالیں۔ (20)

تعارف

اصول فقہ کی آخری اور سب سے عملی مباحث تعارض ادلہ و ترجیح اور اجتہاد و تقلید کی ہیں۔ جیسے جیسے طالب علم نصوص کے مطالعے میں آگے بڑھتا ہے اسے ایسی صورتیں نظر آتی ہیں جہاں دو دلیلیں بظاہر ایک دوسرے سے ٹکراتی معلوم ہوتی ہیں، یا ایک ہی مسئلے میں مختلف مجتہدین کی آراء سامنے آتی ہیں۔ ایسی صورت میں یا تو دلیل کی درست درجہ بندی اور اصول ترجیح کا علم ہو تو ذہن مطمئن ہو جاتا ہے، ورنہ تعارض کا وہم شریعت میں اضطراب پیدا کر دیتا ہے۔ یہ جواب دو حصوں پر مشتمل ہے: پہلے حصے میں تعارض ادلہ کا مفہوم اور اسے حل کرنے کے بنیادی قواعد یعنی نسخ، ترجیح، جمع و تطبیق اور توقف و تساقط کا بیان کیا جائے گا، اور دوسرے حصے میں اجتہاد، تقلید، تلفیق اور افتاء کا مفہوم و شرائط بیان کر کے جدید دور میں ان کی عملی اہمیت اور ضوابط پر روشنی ڈالی جائے گی۔ یہ بحث خالصتاً علمی ہے اور کسی معین فتوے یا کسی شخص کے معاملے میں حکم کا اطلاق مستند علماء، مفتیان کرام اور بااختیار عدالتوں کا کام ہے۔

تعارض ادلہ کا مفہوم اور اس کی حقیقت

تعارض کے معنی ایک دوسرے کے مقابل آ جانے کے ہیں۔ اصطلاح میں تعارض ادلہ سے مراد یہ ہے کہ دو شرعی دلیلیں بظاہر ایک ہی محل میں متضاد احکام کا تقاضا کریں، مثلاً ایک دلیل کسی کام کے وجوب پر دلالت کرے اور دوسری اسی کی حرمت پر۔ اصولیوں کا متفقہ نقطہ آغاز یہ ہے کہ حقیقی تعارض شارع کی طرف سے ممکن نہیں، کیونکہ ایک ہی حکیم شارع ایک ہی معاملے میں بیک وقت متضاد حکم نہیں دیتا؛ اس لیے نظر آنے والا تعارض دراصل ہماری فہم، دلیل کے درجے یا اس کے زمانے سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی بنیاد پر قاعدہ بنا کہ جب دو دلیلوں میں بظاہر تعارض ہو تو پہلے دیکھا جائے گا کہ ان میں سے کوئی ایک منسوخ تو نہیں، پھر ان میں جمع و تطبیق کی کوشش ہو گی، پھر ترجیح کے قواعد آئیں گے اور سب سے آخر میں توقف کی صورت ہو گی۔ یہ بھی یاد رہے کہ تعارض صرف مساوی درجے کی دلیلوں کے درمیان زیر بحث آتا ہے؛ قطعی دلیل کے مقابلے میں ظنی دلیل آئے تو اسے تعارض نہیں کہتے بلکہ ظنی کو قطعی کے تابع سمجھا جاتا ہے، اور قرآن و محکم نصوص کے مقابلے میں خبر واحد کی مختلف صورتیں اسی اصول سے حل ہوتی ہیں۔

تعارض کے حل کے بنیادی قواعد: نسخ اور جمع و تطبیق

تعارض حل کرنے کا پہلا قاعدہ نسخ کی تحقیق ہے۔ اگر ثابت ہو جائے کہ ایک دلیل دوسری سے بعد کی ہے اور دونوں میں جمع ممکن نہیں تو بعد والی دلیل کو ناسخ اور پہلی کو منسوخ قرار دیا جائے گا۔ اس کے لیے محض ظن کافی نہیں بلکہ تاریخی یا واضح ثبوت یا شارع کی صراحت درکار ہوتی ہے، اسی لیے علماء نے فرمایا ہے کہ نسخ کا دعویٰ آخری حربہ ہے، پہلا نہیں۔ دوسرا قاعدہ جمع و تطبیق ہے، جسے توفیق بھی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں دلیلوں کو اس طرح سمجھا جائے کہ ہر ایک پر اپنا اپنا عمل باقی رہے، کیونکہ دلیل کو معطل کرنے سے اس پر عمل کرنا بہتر ہے۔ جمع کی صورتیں بہت سی ہیں: ایک دلیل کو عام اور دوسری کو خاص سمجھنا، مطلق کو مقید پر محمول کرنا، ایک کو عزیمت اور دوسری کو رخصت پر محمول کرنا، یا ہر دلیل کو الگ الگ حالات و اشخاص سے متعلق قرار دینا۔ فقہ کی تاریخ میں اکثر مشہور تعارضات اسی جمع و تطبیق سے حل ہوئے ہیں، اس لیے اصولی ترتیب میں بعض علماء جمع کو نسخ سے پہلے رکھتے ہیں۔ دونوں صورتوں کے نہ ہونے کی صورت میں ہی اگلا مرحلہ یعنی ترجیح آتا ہے۔

ترجیح کے قواعد اور آخری صورت: توقف

ترجیح سے مراد دو متعارض دلیلوں میں سے ایک کو کسی مرجح یعنی اضافی خوبی کی بنیاد پر دوسری پر مقدم کرنا ہے۔ ترجیح کے مرجحات کی لمبی فہرستیں اصولیوں نے مرتب کی ہیں جن کی بڑی قسمیں چار ہیں: سند کی بنیاد پر ترجیح، جیسے راویوں کی کثرت، عدالت و ضبط کی قوت اور سند کا علو؛ متن کی بنیاد پر ترجیح، جیسے ایک نص کا مفسر و محکم ہونا اور دوسرے کا ظاہر ہونا، یا ایک کا عبارت سے اور دوسرے کا اشارے سے مفہوم دینا؛ حکم کی بنیاد پر ترجیح، جیسے احتیاط والے حکم کو مقدم کرنا، حرمت کو اباحت پر اور عزیمت کو رخصت پر مخصوص صورتوں میں ترجیح دینا؛ اور خارج قرائن کی بنیاد پر ترجیح، جیسے کسی دلیل کا قرآن کے عمومی اصولوں، اجماعی قواعد یا صحابہ کے عمل سے موافق ہونا۔ اگر تمام کوششوں کے باوجود کوئی مرجح نہ ملے تو اصولیوں کے نزدیک آخری صورت توقف ہے، یعنی فیصلہ مؤخر کر کے مزید تحقیق کی جائے، اور بعض کے نزدیک دونوں دلیلیں ساقط ہو کر اس سے نیچے درجے کی دلیل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اس موضوع کا خلاصہ یہ ہے کہ ترجیح ذاتی پسند کا نام نہیں بلکہ مقررہ قواعد کے تحت دلیل کی قوت کا موازنہ ہے، اور اس کا اختیار بھی اسی کو ہے جو ان قواعد کا اہل ہو۔

جدول1: تعارض ادلہ حل کرنے کے مراحل بالترتیب

مرحلہ	طریقہ	نتیجہ
اول	نسخ کی تحقیق	بعد والی دلیل ناسخ، پہلی منسوخ
دوم	جمع و تطبیق	دونوں دلیلوں پر اپنے اپنے محل میں عمل
سوم	ترجیح	قوی دلیل مقدم، کمزور پر عمل مؤخر
چہارم	توقف / تساقط	فیصلہ مؤخر یا نچلے درجے کی دلیل سے رجوع

اجتہاد: مفہوم و شرائط

اجتہاد کے لغوی معنی پوری کوشش صرف کرنے کے ہیں، اور اصطلاح میں اس سے مراد مجتہد کا شرعی ظنی احکام کے استنباط میں اپنی پوری علمی کوشش صرف کرنا ہے۔ اجتہاد صرف اسی میدان میں ہوتا ہے جہاں قطعی نص موجود نہ ہو، قطعیات میں اجتہاد نہیں ہوتا۔ مجتہد کی شرائط میں علماء نے قرآن و سنت کے احکام سے متعلق حصے کا گہرا علم، عربی زبان و بلاغت میں مہارت، ناسخ و منسوخ اور اجماعی مسائل کی واقفیت، قیاس و اصول فقہ پر عبور اور مقاصد شریعت کی فہم کو شمار کیا ہے، اس کے ساتھ تقویٰ و دیانت کو بھی ضروری قرار دیا ہے کیونکہ یہ امانت کا کام ہے۔ اجتہاد کے مراتب بھی بیان کیے گئے ہیں، مجتہد مطلق سے لے کر مجتہد فی المذہب اور مجتہد فی المسائل تک۔ جدید دور میں اجتماعی اجتہاد یعنی فقہی اکیڈمیوں اور مجلس شوریٰ کے ذریعے ماہرین کے اجتماعی غور کو خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے، کیونکہ جدید طبی، معاشی و تکنیکی مسائل میں کسی ایک فرد کے لیے تمام مہارتوں کا احاطہ مشکل ہو گیا ہے۔ اجتہاد کا دروازہ شرائط کے ساتھ کھلا ہے؛ بے اہلیتی کے ساتھ اس کا دعویٰ بھی اسی طرح غلط ہے جس طرح اہل کے لیے اسے مطلقاً بند قرار دینا غلط ہے۔

تقلید اور تلفیق: مفہوم و شرائط

تقلید کے لغوی معنی گلے میں قلادہ ڈالنے کے ہیں، اور اصطلاح میں اس سے مراد کسی مجتہد کے قول کو اس کی دلیل کی تفصیل جانے بغیر اس اعتماد پر قبول کرنا کہ وہ دلیل کی بنیاد پر کہہ رہا ہے۔ عوام اور غیر مجتہد کے لیے تقلید ہی شرعی راستہ ہے، کیونکہ قرآن نے حکم دیا ہے کہ اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔ تقلید کی دو صورتیں ہیں: تقلید شخصی، یعنی کسی معین امام کی پیروی کو لازم کرنا، اور تقلید مطلق، یعنی جس مسئلے میں جس اہل عالم سے اطمینان ہو اس کی رائے لینا؛ دونوں کے حق و مخالفت میں علماء کی معتبر آراء موجود ہیں اور دونوں میں اعتدال یہی ہے کہ غیر مجتہد اپنے اطمینان کے کسی مستند عالم یا مسلک کی پیروی کرے اور مسائل کو کھیل نہ بنائے۔ تلفیق سے مراد ایک ہی عمل میں مختلف مسالک کی رائیں اس طرح جمع کرنا ہے کہ نتیجے میں پیدا ہونے والی صورت کسی مجتہد کے نزدیک بھی درست نہ ہو؛ جمہور کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں، کیونکہ یہ خواہش کی پیروی بن جاتی ہے۔ البتہ مختلف الگ الگ مسائل میں ضرورت یا قوی دلیل کی بنیاد پر کسی دوسرے معتبر قول پر عمل کرنا اس تلفیق ممنوعہ سے الگ ہے اور اس کی گنجائش اہل علم کے ہاں شرائط کے ساتھ موجود رہی ہے۔ تقلید و تلفیق کی بحث میں اصل ضابطہ یہ ہے کہ عمل کی بنیاد اتباع دلیل یا اتباع اہل علم ہو، اتباع خواہش نہ ہو۔

افتاء: مفہوم و شرائط اور جدید دور میں اہمیت و ضوابط

افتاء سے مراد پوچھنے والے کو شرعی حکم سے آگاہ کرنا ہے اور یہ کام کرنے والے کو مفتی کہا جاتا ہے۔ مفتی کی شرائط میں اجتہاد یا کم از کم مسلک کے اصولوں پر گہری دسترس، مسئلے کی صورت حال کی مکمل تحقیق، مقاصد و مصالح کی رعایت اور تقویٰ و احتیاط شامل ہیں۔ فتویٰ قضاء سے الگ چیز ہے: فتویٰ غیر ملزم رائے ہے جبکہ قاضی کا فیصلہ نافذ و لازم ہوتا ہے، اسی لیے فتویٰ زمان و مکان اور پوچھنے والے کے حالات بدلنے سے بدل بھی سکتا ہے، جبکہ اصولی حکم اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ جدید دور میں ان مباحث کی اہمیت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا نے فتوؤں تک رسائی آسان کر دی ہے مگر اس کے ساتھ بے تحقیق نقل، سیاق سے کٹی ہوئی آراء اور غیر مستند ذرائع کا خطرہ بھی بڑھ گیا ہے، اس لیے ضابطہ یہ ہے کہ فتویٰ صرف مستند دار الافتاء اور پہچانے ہوئے اہل علم سے لیا جائے، مسئلے کی پوری صورت حال صاف بتائی جائے اور ایک ہی مسئلے کو بار بار مختلف جگہوں سے اپنی پسند کے جواب کے لیے نہ پوچھا جائے۔ اسی طرح مذاہب و مسالک کے اختلافات میں تعصب کے بجائے علمی ادب، جدید مسائل میں اجتماعی اجتہاد کی طرف

رجوع، اور حساس معاملات، خاص طور پر کسی فرد پر شرعی احکام کے اطلاق جیسے امور میں صرف مستند علماء و بااختیار اداروں کی طرف رجوع کرنا ہی درست ضابطہ ہے۔ طالب علم کے لیے اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ وہ خود کو اپنی اہلیت کے درجے میں رکھے، اجتہاد کو اس کے اہل کے لیے مانے، تقلید کو غیر مجتہد کے لیے شرعی ضرورت سمجھے اور فتویٰ لینے و دینے دونوں میں احتیاط کو اپنا شعار بنائے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ تعارض ادلہ حقیقی نہیں ظاہری ہوتا ہے اور اس کے حل کی ترتیب رفع [illegible]، جمع و تطبیق، ترجیح اور پھر توقف ہے، جن میں ترجیح مقررہ مرجحات یعنی سند، متن، حکم اور خارجی قرائن کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اجتہاد شرائط کے اہل کی علمی کوشش کا نام ہے، تقلید غیر [illegible] کے لیے اہل علم کی پیروی کا شرعی راستہ ہے، تلفیق کی وہ صورت ممنوع ہے جس سے کوئی صورت کسی کے نزدیک بھی درست نہ رہے، اور افتاء علمی امانت ہے جس کے لیے اہلیت و احتیاط لازم ہے۔ جدید دور میں ان اصولوں کی رعایت ہی انتشار و شدت دونوں سے بچاؤ کا راستہ ہے اور یہی اصول فقہ کے مطالعے کا آخری اور سب سے قیمتی ثمرہ ہے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com